ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2912

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: لغۃ الحدیث (2912) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی منصوبہ نمبر 2

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: اباحت و حرمت — احادیث کی روشنی میں وضاحت

سوال نمبر 1: اباحت اور حرمت سے کیا مراد ہے؟ احادیث کی روشنی میں واضح کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اباحت اور حرمت فقہ واصولِ فقہ کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہیں، اور حدیث کے متن میں آنے والے لایحل، حرم، احل اور اسی قبیل کے الفاظ کو سمجھنے کے لیے ان کا مفہوم جاننا ناگزیر ہے۔ شرعی احکام کی پانچ قسمیں ہیں: واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام؛ ان میں مباح و حرام دو متقابل کے طور پر اسی سوال کے موضوع ہیں۔ اعتقاداً یہ سمجھنا بھی اہم ہے کہ حلال و حرام کرنے کا اصل اختیار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، اور انسان کا کام نصوص سے احکام سمجھنا ہے نہ کہ اپنی پسند سے اشیاء کو حلال یا حرام ٹھہرانا۔ ذیل میں اباحت و حرمت کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اصل الاشیاء سے اصول، احادیث کی روشنی میں ان کی وضاحت، اور ان سے متعلق اہم تنبیہات پیش کی جاتی ہیں۔ یہ بحث نصابی و علمی نوعیت کی ہے؛ کسی معین چیز کے عملی شرعی حکم کے لیے مستند علماء و مفتیان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اباحت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

اباحت عربی کے لفظ باح یا بُوح سے ماخوذ ہے جس کے معنی ظاہر ہونے اور کھل جانے کے ہیں؛ مباح وہ چیز ہے جو ظاہر و آزاد ہو، جس پر کوئی روک نہ ہو۔ اصولی اصطلاح میں مباح اس شرعی حکم کو کہتے ہیں جس کے کرنے اور نہ کرنے میں شریعت نے مکلف کو یکساں اختیار دیا ہو؛ نہ اس کا کرنا ثواب کا خاص مستحق نہ اس کا چھوڑنا گناہ ہو، البتہ نیت کی پاکیزگی اسے عبادت کے درجے تک لے جا سکتی ہے، مثلاً کھانا پینا اگر اللہ کی اطاعت کی قوت کے لیے ہو تو باعتبار نیت اجر کا سبب بن سکتا ہے۔ قرآن مجید کا اصول یہ ہے کہ زمین کی پاکیزہ چیزیں انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور اصولِ فقہ کی مشہور قاعدہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے جب تک حرمت کی دلیل نہ آئے۔ کھانے پینے اور عام اشیاء میں یہی اصل چلتی ہے، جبکہ عبادات میں اصل توقف ہے یعنی جب تک دلیل نہ ہو عبادت کا نیا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہ فرق یاد رکھنا بڑا ضروری ہے کیونکہ یہی اصول حدیث کے بہت سے مباحث کی بنیاد ہے۔

حرمت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

حرمت حرم سے ہے جس کے معنی منع، روک اور احترام کی وجہ سے ممنوع قرار پانے کے ہیں؛ اسی سے حرم مکی اور حرم مدنی کی تعبیر آئی ہے کہ وہاں احترام کی وجہ سے کئی جائز کام بھی ممنوع ہو گئے۔ اصطلاحاً حرام وہ شرعی حکم ہے جس سے کے چھوڑنے کا مطالبہ بالجزم کیا گیا ہو؛ حرام کام کے ارتکاب پر گناہ و عقاب اور اس کے ترک پر ثواب ہے۔ حرام کی دو بڑی قسمیں ہیں: ایک حرام لذاتہ، یعنی وہ چیز جس کی حرمت اس کی اپنی نجاست و فساد کی وجہ سے ہے، جیسے خنزیر، خون، مردار اور شراب؛ دوسری حرام لغیرہ، یعنی وہ چیز جو فی نفسہ جائز ہے مگر کسی خارجی وجہ سے حرام ہو جائے، جیسے غصب کی ہوئی چیز یا غیر کے مال کا ناجائز طریقے سے استعمال کرنا۔ حرمت کی دلیل قطعی ہو یا ظنی، یہ درجہ بندی اصول کی کتابوں میں تفصیل سے ملتی ہے، اور مسلمان کے لیے محتاط روش یہ ہے کہ وہ شبہات سے بھی بچے۔

احادیث کی روشنی میں اباحت و حرمت

احادیث نبویہ اس باب میں عظیم رہنمائی دیتی ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا، اور جس کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی وہ معاف شدہ و مباح کے درجے میں ہے۔ یہ حدیث اباحت کے اصل ہونے کی بنیادی دلیل ہے کہ شرعی خاموشی خود ممانعت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی قبول کرتا ہے، پھر اس شخص کا ذکر کیا گیا جو لمبے سفر میں غبار آلود ہوتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے مگر اس کا کھانا حرام، پینا حرام اور لباس حرام ہوتا ہے؛ ایسی صورت میں دعا کیسے قبول ہو؟ یہ حدیث حرام کی نحوست اور حلال کمائی کی اہمیت کو گہرائی سے ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح حدیثِ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ میں فرمایا گیا: حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح، اور ان کے درمیان کچھ شبہے والی چیزیں ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے؛ جس نے شبہات سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین و عزت کو محفوظ کر لیا، اور جو شبہات میں پڑا وہ حرام میں پڑنے کے قریب ہو گیا، جیسے چراگاہ کے گرد چرنے والا چرواہا اس اندیشے میں ہوتا ہے کہ جانور چراگاہ میں جا گھسے۔ یہ حدیث اباحت و حرمت کے درمیان احتیاط کا سنہری اصول دیتی ہے۔

حلال وحرام کے تعین کا اختیار اور اس کے اصول

حدیث میں یہ تنبیہ بھی بڑی سختی سے آئی ہے کہ خدا کے حرام کردہ کو حلال یا حلال کردہ کو حرام قرار دینا اللہ پر افترا ہے۔ حضرت ابوذر و دیگر صحابہ کی روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جائز چیز کو اپنی ذات کے لیے ترک کر دیا تو اللہ نے تنبیہ فرمائی، جس سے معلوم ہوا کہ تحریم و تحلیل وحی کا منصب ہے۔ اصولیین نے اس ضمن میں چند قواعد مقرر کیے ہیں: تحریم کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، محض لوگوں کے عرف کی بنا پر حرام قرار نہیں دیا جا سکتا؛ اباحت اصل ہے مگر جہاں نص حرمت کی آ جائے وہاں اباحت ختم؛ شبہے کی صورت میں احتیاط افضل ہے؛ اور حرام کے ذرائع کو روکنا بھی شریعت کا حصہ ہے جسے سد ذرائع کہا جاتا ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ حلال و حرام کے درجات مختلف ہوتے ہیں، بعض حرمت قطعی نص سے ثابت ہوتی ہے اور بعض ظنی دلائل سے، اس لیے اجتہادی امور میں اہل علم کے اختلاف کا ادب ملحوظ رکھنا علمی امانت ہے۔

جدول 1: اباحت و حرمت کا تقابل

پہلو	اباحت (مباح)	حرمت (حرام)
تعریف	شرعاً کرنے و نہ کرنے میں یکساں اختیار	ترک کا جزمی مطالبہ؛ فعل پر گناہ
اصل حیثیت	اشیاء میں اصل، دلیلِ تحریم کے بغیر برقرار	نص یا معتبر دلیل سے ثابت ہوتی ہے
مثالیں	عام پاک کھانے پینے اور دنیاوی تصرفات	شراب، خنزیر، سود، غصب، ظلم
احتیاطی رویہ	شبہات کے قریب جانے سے اجتناب	ذرائعِ حرام سے بھی پرہیز
نیت کا اثر	اچھی نیت سے عبادت میں تبدیل ممکن	کسی نیت سے جائز نہیں ہو سکتا

موجودہ دور میں عملی تنبیہات

موجودہ دور میں اس بحث کی عملی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ خوراک کی صنعت، مالیاتی معاملات اور انسانی زندگی کے نئے شعبوں میں روز نئے سوالات اٹھتے ہیں جن میں فیصلہ قرآن و حدیث کے اصولوں سے علماء کرتے ہیں۔ عام مسلمان کے لیے درست روش یہ ہے کہ وہ مشکوک چیزوں سے بچے، حلال و طیب رزق کی فکر کرے، اور انفرادی مواقع پر فتویٰ کے لیے اہل علم کے دروازے پر جائے، اپنی ناقص معلومات کی بنا پر کسی چیز کو حرام کہہ کر دوسروں کو تنگ نہ کرے اور نہ حرام کو ہلکا سمجھ کر بے پرواہی اختیار کرے۔ طالب علم کے لیے یہ درس بھی ہے کہ حدیث میں آنے والے احلّ و حرّم کے الفاظ اس بنیاد پر سمجھے جائیں گے کہ وحی نے کسے مباح رکھا اور کسے ممنوع کیا۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ مباح اس حکم کو کہتے ہیں جس میں شرع نے اختیار دیا ہو اور یہ اشیاء کی اصل ہے، جبکہ حرام وہ ہے جس کے ترک کا حتمی مطالبہ ہو اور جو وحی کی دلیل سے ثابت ہو۔ احادیث نے واضح کیا کہ حلال و حرام واضح ہیں، شبہات سے بچنا دین کی حفاظت ہے، اور حرام کا رزق دعا و عبادت کی قبولیت میں رکاوٹ بنتا ہے۔ ان اصولوں کو پہچان کر ہی طالب علم لغت الحدیث میں مذکور تحریم و تحلیل کے الفاظ کا درست مفہوم متعین کر سکتا ہے۔

سوال نمبر 2: سیرت کے معنی و مفہوم کی وضاحت

سوال نمبر 2: سیرت کے معنی اور مفہوم کو واضح کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

سیرت اسلامی علوم کی مرکزی اصطلاح ہے اور لغتِ حدیث میں اس کا مطالعہ اس لیے آتا ہے کہ احادیث و آثار کی ایک بڑی صنف سیر و مغازی ہی کے عنوان سے محفوظ ہوئی ہے۔ اسیرت کا نام سنتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا تصور ذہن میں آتا ہے، مگر اس اصطلاح کا دائرہ اس سے کہیں وسیع ہے: اس میں آپ کا ظاہری و باطنی

طرزِ زندگی، آپ کے اقوال و افعال، آپ کی جنگیں و صلح و معاہدات، آپ کی دعوت و معاشرت اور امت سازی کا پورا نقشہ شامل ہوتا ہے۔ سیرت نے ہر دور میں مسلمانوں کے لیے کردار سازی کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا ہے۔ اس جواب میں سیرت کے لغوی معنی، اصطلاحی مفہوم، اس کے اجزا و شعبے، اس کی تدوین کی تاریخ اور اس کے مطالعے کے فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔

سیرت کے لغوی معنی

سیرت عربی زبان کا لفظ ہے جو سار یسیر سے ماخوذ ہے، جس کے معنی چلنا، روانہ ہونا اور سفر کرنا ہیں۔ اسی مادے سے سیرت کو روش، طریقہ، چال چلن، حالت اور طرزِ زندگی کے معنی میں استعمال کیا گیا۔ لغت کی کتابوں میں سیرت الرجل سے مراد اس کے حالات، کارنامے اور اس کا وہ طرزِ زندگی ہے جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے سورج و قیام و دیگر سیاقات میں دوامی حالت و سابقہ صورت کے مفہوم میں آیا ہے۔ اس لغوی پس منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کسی حرکت و سفر کا نام نہیں بلکہ ایک پوری زندگی کے ذریعے چلنے والے طرز کا نام ہے؛ انسان جس راستے پر چلتا ہے، جو روش اختیار کرتا ہے اور جو نقوشِ قدم چھوڑتا ہے، ان سب کا مجموعہ اس کی سیرت کہلاتا ہے۔ اسی لیے سیرت کو کردار اور بیوگرافی سے قریب مگر ان سے زیادہ جامع تصور کیا گیا ہے، کیونکہ اس میں زندگی کے واقعات ہی نہیں بلکہ اس زندگی کی روح، مقصد اور اسلوب بھی شامل ہے۔

سیرت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاحِ شرع میں السیرۃ النبویۃ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا وہ مکمل علمی ریکارڈ ہے جس میں آپ کی ولادت و نسب، بعثت، مکی و مدنی زندگی، دعوت کے مراحل، غزوات و سرایا، معاہدات و سفارتیں، گھریلو و معاشرتی زندگی، اخلاق و شمائل، عبادات و معاملات اور وفات تک کے حالات منظم انداز میں بیان ہوں۔ اصطلاح کی توسیع میں سیرت صحابہ و ائمہ کے حالات کو بھی سیر کہا جاتا ہے۔ بعض علماء السیر کا مفہوم وسیع کرتے ہوئے اس میں جہاد و ریاست کے احکام و سلوک کو بھی شامل کرتے ہیں، اسی لیے فقہ کی کتابوں میں کتاب السیر بین الاقوامی و جنگی قوانین کے باب کے طور پر موجود ہے۔ سیرت کی یہی ہمہ گیری اس کا امتیاز ہے: یہ صرف تاریخی روایت نہیں بلکہ تشریع،

اخلاق، دعوت اور اجتماعیت کی عملی کتاب ہے۔ ہر وہ حکم جس کی عملی صورت بیان کرنی ہو، سیرت اس کی زندہ تصویر پیش کرتی ہے، کیونکہ سنت کی عملی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی ہے۔

سیرت کے اجزا اور شعبے

سیرت کے مطالعے کو چند بڑے شعبوں میں تقسیم کر کے سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلا شعبہ ولادت سے بعثت تک کا دور ہے جس میں نسب، طفولیت، جوانی، نبوت سے پہلے کی صادق و امین شخصیت اور غارِ حرا کے واقعات شامل ہیں۔ دوسرا مکی دور ہے جس میں دعوت کا آغاز، مخالفین کی اذیتیں، صبر و استقامت، حبشہ و مدینہ کی ہجرتوں کی تیاری اور مکی معاشرے کی اصلاح شامل ہے۔ تیسرا مدنی دور ہے جو سیرت کا سب سے ضخیم باب ہے: مسجد نبوی کی تعمیر، مواخات، میثاقِ مدینہ، غزوات بدر و احد و خندق، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، خطوط و وفود، حجۃ الوداع اور رفیقِ اعلیٰ سے ملحق ہونا، یہ سب اس کے اجزا ہیں۔ چوتھا شعبہ شمائل و اخلاق ہے جس میں آپ کی ذات، حلیہ مبارک، عادات و عبادات اور اخلاقِ عظیمہ کا بیان ہے۔ پانچواں شعبہ مغازی و سرایا ہے جس میں عسکری و سیاسی زندگی کی تفصیل آتی ہے۔ ان شعبوں کا متوازن مطالعہ ہی سیرت کو مکمل فہم دیتا ہے، کیونکہ کسی ایک شعبے کو الگ کر کے دیکھنے سے زندگی کی ہم آہنگی نہیں سمجھ آتی۔

جدول 1: سیرتِ نبوی کے ادوار و موضوعات

نمایاں موضوعات	زمانہ	دور / شعبہ
نسب، طفولیت، صادق و امین، تجارت، نکاح، غارِ حرا	ولادت تا 40 سال	نبوت سے پہلے
دعوتِ خفیہ و جہری، ابتلا و صبر، ہجرت حبشہ، طائف	بعثت تا ہجرت (13 سال)	مکی دور
ریاستِ مدینہ، مواخات، میثاق، غزوات، صلح و فتح	1ھ تا 11ھ	مدنی دور
حلیہ، عبادات، معاملات، اخلاقِ کریمانہ	پوری زندگی	شمائل و اخلاق

بدر، احد، خندق، خیبر، تبوک، سرایاوبعوث	مدنی دور خصوصاً	مغازی وسرایا

سیرت کی تدوین کاارتقائی جائزہ

سیرت کی تدوین امت کے ابتدائی دور سے شروع ہوئی۔ صحابہ کرام نے واقعات حفظ کیے اور تابعین نے انہیں منظم کیا؛ عروہ بن زبیر اور ابان بن عثمان اس فن کے اولین نمایاں ناموں میں ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب تاریخ جو بعد میں ابن ہشام کی تہذیب وترتیب سے سیرت ابن ہشام کے نام سے دنیا کی مشہور ترین کتاب بنی۔ اسی دور میں موسیٰ بن عقبہ اور امام زہری کی خدمات بھی بنیادی ہیں۔ واقدی نے کتاب المغازی لکھی اور ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں سیرت وصحابہ کے حالات کو جامعیت دی۔ بعد کے ادوار میں ابن کثیر کی السیرۃ النبویۃ، ابن قیم کی زاد المعاد، قاضی عیاض کی الشفا اور جدید دور کی مفصل سیرت نگاری نے اس فن کو عروج دیا۔ یہ تدریجی ارتقا اس بات کی دلیل ہے کہ سیرت کا علم حدیث سے جدا نہیں بلکہ اسی روایتی نظام کی توسیع ہے، اسی لیے اسے لغت الحدیث کے مضامین میں مقام حاصل ہے۔

سیرت کے مطالعے کے فوائد

سیرت کا مطالعہ کئی فوائد کا حامل ہے۔ شرعی اعتبار سے یہ سنت کی عملی تفسیر فراہم کرتا ہے اور ناسخ ومنسوخ واحکام کے تاریخی پس منظر کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ ایمانی اعتبار سے یہ محبتِ رسول کو بڑھاتا ہے کیونکہ انسان جسے جانتا ہے اسی سے محبت کرتا ہے۔ اخلاقی اعتبار سے یہ صبر، قناعت، شجاعت، عدل، رحم اور قیادت کا بہترین نمونہ سامنے رکھتا ہے۔ دعوتی وانتظامی اعتبار سے یہ تحریکوں واداروں کی قیادت کے لیے عملی اصول دیتا ہے، اور علمی اعتبار سے یہ تاریخ وحدیث کی نقد وتحقیق کا وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔ آج کے طالب علم کے لیے سیرت ذات کی تعمیر کا سب سے قابل اعتماد نصاب ہے، بشرطیکہ اس کا مطالعہ معتبر ماخذوں اور سنجیدہ اساتذہ کی رہنمائی میں کیا جائے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ سیرت لغتاً چال چلن اور روشِ زندگی کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مکمل ریکارڈ کا نام ہے، جس میں آپ کی پوری مکی و مدنی زندگی، شمائل و مغازی اور دعوت و ریاست شامل ہے۔ سیرت محض تاریخ نہیں بلکہ زندہ رہنما ہے؛ اسی لیے اس کی تدوین و مطالعہ صدرِ اسلام سے آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

سوال نمبر 3: شعر و شاعری کا مفہوم اور اسلام میں شاعری کا حکم

سوال نمبر 3: شعر و شاعری سے کیا مراد ہے؟ اسلام میں شاعری کا کیا حکم ہے؟ (20 نمبر)

تعارف

شعر عرب تہذیب کی روح اور ادبِ جاہلی و اسلامی کی سب سے طاقتور صنف ہے۔ ظہورِ اسلام کے وقت عربوں کے پاس شاعری ہی تاریخ، صحافت، فخر و حکم کا ذریعہ تھی، اس لیے اسلام نے اس طاقتور ذریعے کو نظر انداز کرنے کے بجائے اسے حدود و مقصد دے کر دین کی خدمت میں استعمال کیا۔ قرآن مجید نے شعراء کا ذکر کیا، احادیث میں شعر کی حکمت کی تصدیق بھی آئی اور اس کی برائی کی تنبیہ بھی؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراءِ اسلام کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی اور مکذب شعروں سے پرہیز کی تعلیم بھی دی۔ اس جواب میں شعر کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، عربی زندگی میں اس کا مقام، قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کے احکام کی اقسام اور اہلِ علم کے بیان کردہ ضوابط پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ بحث خالص علمی ہے؛ معاصر مخصوص صورتیں کسی مفتی کے فتوے سے متعلق ہوں تو انہیں وہیں رجوع کرنا چاہیے۔

شعر کے لغوی واصطلاحی معنی

شعر عربی لفظ ہے جس کے بنیادی معنی شعور یعنی جاننے اور محسوس کرنے کے ہیں؛ اسی مناسبت سے کہا گیا کہ شاعر وہ ہے جو بات کو اس باریکی اور اثر سے محسوس کر کے بیان کرے کہ سننے والوں کے شعور کو چھو جائے۔ بعض اہل لغت نے شعر کو بالوں سے جوڑا ہے، گویا اس کی بناوٹ بالوں کی طرح باریک تنے ہوئے دھاگوں پر قائم ہے، لیکن ادبی اصطلاح میں شعر اس موزوں و مقفیٰ کلام کو کہتے ہیں جو وزن و قافیے کی پابندی کے ساتھ جذبات و تخیلات کو فنی انداز میں بیان کرے۔ عربی شعر کی پہچان کے دو ستون ہیں: وزن یعنی بحر اور قافیہ، اور اس کی تین بڑی شکلیں قصیدہ، غزل کی ابتدائی صورتیں اور قطعات ہی ہیں۔ شاعری اس فن کا نام ہے، یعنی نظم کہنے کی صلاحیت و صنعت۔ نثر کے مقابلے میں شعر کو ایجاز، تخیل اور جذباتی قوت کی بنا پر زیادہ موثر سمجھا گیا، اسی لیے عرب اپنے شاعر کو قوم کا ترجمان اور مؤرخ مانتے تھے۔

اسلام سے پہلے اور صدرِ اسلام میں شعر کا مقام

دورِ جاہلیت میں شعر عربوں کا دیوان تھا، جس میں ان کی تاریخ، نسب، جنگیں اور افتخار محفوظ ہوتے تھے۔ معلقات جیسی نظمیں اسی عظمت کی گواہ ہیں، اور شاعر کو قوم کی زبان سمجھا جاتا تھا۔ اسلام آیا تو اس طاقت کو دو رخ دیے: ایک طرف فحش، ہجوئے باطل، کبر و فخر جاہلی اور گمراہی پھیلانے والی شاعری کی مذمت ہوئی، اور دوسری طرف حق و حکمت پر مشتمل شعر کو نہ صرف قبول کیا گیا بلکہ اسے جہادِ کلام کا درجہ دیا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں منبر رکھ کر مشرکین کے جواب میں اشعار کہنے کی اجازت ملی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تائید روح القدس کی دعا دی۔ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی قصیدہ بانت سعاد پر انھیں بردہ شریف عطا ہوا۔ عبد اللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما بھی شعراء اسلام میں نمایاں رہے۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام شعر کی اصل صنف کا دشمن نہیں؛ اس کا فیصلہ شعر کے مضمون اور مقصد پر مبنی ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں شاعری کے احکام

قرآن مجید کی سورۃ الشعراء میں ان شعراء کی مذمت کی گئی جو خود گمراہی کی راہ چلتے اور لوگوں کو بہکاتے ہیں، ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں؛ اس کے ساتھ استثنا بھی کر دیا گیا کہ جو ایمان لائے، نیک عمل کیے، اللہ کا ذکر کثرت سے کیا اور ظلم کا جواب دیا، وہ اس مذمت سے باہر ہیں۔ اس آیت نے شاعری کے شرعی معیار کی بنیاد رکھ دی: معیار شعر کا مضمون اور شاعر کا کردار ہے۔ حدیث میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ یہ جملہ اس صنف کی قدر و قیمت کا اعتراف ہے۔ دوسری طرف احادیث میں اس شخص پر سخت وعید بھی آئی ہے جس کے اندر پیپ بھر جائے مگر وہ شعر سے بھر نہ جائے؛ شارحین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ شعر میں اس قدر غلو و مشغولیت اختیار کرنا کہ قرآن و عبادت سے غفلت ہو جائے مذموم ہے، یا وہ شعر مراد ہے جو فحش و باطل پر مشتمل ہو۔ اسی طرح آپ نے اللہ کے ذکر اور حق کی بات کے لیے شعر کہنے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ یوں مجموعی نصوص کا خلاصہ یہ ہے کہ شعر اپنی ذات میں کلام ہے؛ اس کا اچھا اچھا اور برا برا ہے، جیسا کہ آپ کے ارشاد کا مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ شعر بھی گفتگو کی طرح ہے، پس اس کا حسن حسن اور قبح قبیح ہے

اہلِ علم کے نزدیک شاعری کے درجے و ضوابط

فقہاء و شارحین نے نصوص کو یکجا کر کے شاعری کے چند درجے بیان کیے ہیں۔ پہلا درجہ: وہ شعر جو حق کی نصرت، دین کی دعوت، اخلاق کی تعلیم اور حکمت پر مشتمل ہو؛ یہ نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن و باعث اجر ہے، اور اسلام کے شعراء اسی قبیل سے تھے۔ دوسرا درجہ: مباح شاعری جو قدرتی مناظر، حلال جذبات اور جائز مضامین پر ہو اور گناہ کی طرف نہ لے جائے۔ تیسرا درجہ: مکروہ شاعری جس میں فضول گوئی، مبالغہ آمیز جھوٹے دعوے یا وقت کی اس ضیاع کی صورت ہو جو فرائض سے غفلت کا سبب بنے۔ چوتھا درجہ: حرام شاعری جس میں فحش و بے حیائی ہو، کسی مسلمان کی ہجو اور عزت اچھالنا ہو، شراب و گناہ کی ترغیب ہو یا کفر و باطل کی نصرت ہو؛ یہ شریعت کی رو سے ممنوع ہے۔ چند ضابطے علماء نے مزید بیان کیے ہیں: شعر میں جھوٹے دعوے اور محال مبالغے سے بچنا چاہیے، شاعری کو روزی کا ذریعہ اس انداز میں نہ بنایا جائے جس میں مدح فروشی اور جھوٹی تعریف ہو، اور شاعر اپنے کلام کے انجام کا ذمہ دار ہے کیونکہ لفظ کی تاثیر تلوار سے کم نہیں ہوتی۔

جدول 1: اسلام میں شاعری کے درجے

حکم کی نوعیت	مضمون	درجہ
جائز بلکہ مستحسن؛ شعراءِ اسلام کا طرز	دین کی نصرت، حکمت، اخلاق، دعوت	شعرِ حق
اباحت کے درجے میں	جائز مضامین، مناظر و کیفیات	شعرِ مباح
مکروہ و غیر پسندیدہ	بے [illegible] مبالغہ آمیز، وقت ضائع	شعرِ لغو و فضول
ممنوع و حرام	فحش، ہجوِ مسلم، گناہ کی ترغیب	شعرِ باطل
مذموم؛ احادیث میں تنبیہ	ذکر و فرائض سے غفلت تک مشتمل	غلو فی الشعر

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ شعر موزوں و مقفیٰ و موثر کلام کو کہتے ہیں اور شاعری اسی فن کا نام ہے۔ اسلام میں شاعری کا حکم اس کے مضمون و مقصد کے تابع ہے: حق و حکمت کا شعر پسندیدہ و باعثِ اجر ہے، عام جائز مضامین مباح ہیں، فضول گوئی ناپسندیدہ ہے اور فحش و باطل کی شاعری ممنوع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراءِ اسلام کو منبر و حوصلہ دیا اور جاہلی فخر و فحش کی مذمت کی؛ اسی توازن کو سمجھنا اس سوال کا جوہر ہے۔ لغت الحدیث کے طالب علم کے لیے اس بحث سے حدیث میں وارد اصطلاحاتِ شعر و حکمۃ الشعر کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔

سوال نمبر 4: غریب الحدیث کے ارتقاء پر تفصیلی گفتگو

سوال نمبر 4: غریب الحدیث کے ارتقاء پر تفصیلی گفتگو کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

غریب الحدیث علومِ حدیث کے ان قدیم ترین اور بنیادی شعبوں میں سے ہے جن کی بنیاد اہل لغت نے رکھی اور محدثین نے اسے پروان چڑھایا۔ غریب سے مراد حدیث کے وہ الفاظ ہیں جو عام استعمال میں کم ہوں، کسی خاص خطے یا قبیلے کی لغت سے ہوں یا اپنے استعمال میں نادر و پوشیدہ مفہوم رکھتے ہوں، جن کی تشریح کے بغیر حدیث کا مطلب واضح نہ ہو سکے۔ جوں جوں اسلام دور دراز علاقوں میں پھیلا اور عربی زبان اپنے مراکز کے علاوہ عجمی مسلمان حدیث پڑھنے لگے، توں توں ان مشکل الفاظ کی تشریح کی ضرورت شدید ہوئی، اور یہی ضرورت اس علم کی ولادت و ارتقا کی اصل محرک بنی۔ ذیل میں غریب الحدیث کی تعریف، اس کے ارتقا کے مراحل، اس فن کے ائمہ و مصنفین اور ان کی کتابوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

غریب الحدیث کی تعریف اور اس کی ضرورت کا پس منظر

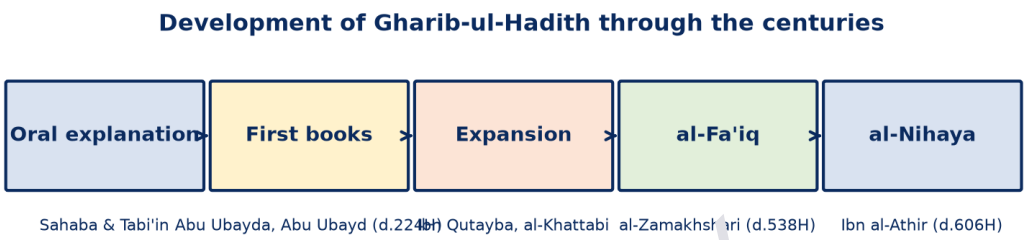
غریب لفظ کا مطلب ہے اجنبی، نادر اور غیر معروف؛ حدیث کے وہ الفاظ جو معنویت میں پوشیدہ ہوں یا جن کا استعمال قلیل ہو، غریب کہلاتے ہیں۔ اصطلاحاً غریب الحدیث اس علم کو کہتے ہیں جس میں احادیث کے مشکل، نادر اور قبائلی لغات والے الفاظ کی لغوی تحقیق اور تشریح کی جائے۔ اس علم کی ضرورت کی چند وجوہات واضح ہیں: پہلی یہ کہ وحی و نبوت کی زبان خالص عربی تھی جس میں حجاز، یمن اور دیگر خطوں کی لغات کی جھلکیاں ملتی ہیں، اور ہر فصیح لفظ ہر عرب کے لیے بھی معروف نہیں تھا؛ دوسری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل سے ان کی زبان میں بات کرتے تھے، چنانچہ ان کے کلام میں قبائلی الفاظ آئے؛ تیسری یہ کہ بعد کے ادوار میں اصل لغت سے دوری بڑھی اور عجمی مسلمانوں کے لیے تو یہ الفاظ بالکل اجنبی ہو گئے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مشکل لفظ کی غلط تشریح سے حدیث کا حکم الٹ سکتا ہے، اس لیے درستگیِ فہم کے لیے اس علم کی مستقل حیثیت ناگزیر ہوئی۔

مرحلہ اول: صحابہ و تابعین کے دور میں زبانی تشریح

غریب الحدیث کا آغاز کتابی تصنیف سے نہیں بلکہ زبانی تشریح سے ہوا۔ صحابہ کرام جنہیں کوئی لفظ مشکل لگتا تو وہ اس کا معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرماتے، یا اہل لغت سے پوچھتے۔ روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کو حدیث میں آنے والے کسی لفظ کی تشریح درکار ہوتی تو فصیح عربوں وبڑے اہل زبان سے رجوع کیا جاتا تھا۔ تابعین کے دور میں یہ رجحان باقاعدہ علمی حلقوں کی شکل اختیار کر گیا، خصوصاً بصرہ و کوفہ میں جہاں لغت و نحو کی درس گاہیں قائم ہوئیں اور حدیث کے طلبہ لغت کی تعلیم کو لازمی سمجھنے لگے۔ اس مرحلے میں ذخیرہ تشریحات شفاہی طور پر منتقل ہوتا رہا، البتہ اس نے آنے والی تصانیف کے لیے مواد و اسلوب کی زمین تیار کر دی۔ اس مرحلے کی اہمیت یہ ہے کہ اسی میں یہ اصول طے پایا کہ حدیث کی تشریح میں لغتِ عرب ہی حاکم ہو گی اور ہر لفظ کے معنی قدیم عربوں کے استعمال سے ثابت کیے جائیں گے۔

مرحلہ دوم: دوسری و تیسری صدی ہجری میں باقاعدہ تصنیف

دوسری صدی ہجری کے اواخر و تیسری صدی کے آغاز میں غریب الحدیث باقاعدہ موضوعِ تصنیف بنا۔ اس کے بانیوں میں ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ (وفات تقریباً 209ء/210ھ) اور نضر بن شمیل (وفات 203ھ) جیسے ائمہ لغت نمایاں ہیں جنہوں نے حدیث کے غریب الفاظ پر اولین مکتوب کام کیا۔ اس فن کو عروج دینے والے امام ابو عبید قاسم بن سلام (وفات 224ھ) ہیں جن کی کتاب الغریب المصنف کے ساتھ ساتھ غریب الحدیث اس فن کی بنیادی باقاعدہ کتاب قرار پائی؛ انہوں نے ہر لفظ کی تشریح میں لغوی شواہد، عربی اشعار اور قبائل کی لغات سے دلائل پیش کیے اور برسوں کی محنت اس کام میں صرف کی۔ ان کے بعد ابن قتیبہ دینوری (وفات 276ھ) نے غریب الحدیث لکھی جس میں ابو عبید کے کام کی تنقیح و اضافہ تھا اور شک و اشکالات کے جوابات بھی شامل کیے گئے۔ ان تصانیف نے آنے والوں کے لیے راستہ صاف کر دیا کہ حدیث کے مشکل الفاظ کی تکنیکی تشریح کیسے ہوتی ہے۔



شکل1: غریب الحدیث کے ارتقائی مراحل

مرحلہ سوم: چوتھی تاساتویں صدی میں توسیع وپختگی

چوتھی صدی ہجری میں حربی اور خطابی نے اس فن کو بڑھایا؛ خصوصاً ابو سلیمان خطابی (وفات 388ھ) کی غریب الحدیث اور الزمخشری کی معالم السنن نے تشریح غریب کو حدیث کی عمومی شرح سے جوڑ دیا۔ پانچویں صدی میں یہ علم پوری اسلامی دنیا میں پھیلا اور سینکڑوں جزئی رسائل لکھے گئے۔ چھٹی صدی میں زمخشری (وفات 538ھ) نے الفائق فی غریب الحدیث ترتیب دی جو حروف تہجی کی ترتیب پر ہونے کی وجہ سے استعمال میں آسان اور تشریحات میں نفیس تھی۔ اسی ارتقائی سلسلے کی معراج ابن الاثیر جزری (وفات 606ھ) کی النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ہے، جو اس فن کی سب سے جامع و مستند کتاب تسلیم کی گئی؛ ابن الاثیر نے تمام سابق مآخذ کا خلاصہ یکجا کیا، الفاظ کو حروف تہجی سے مرتب کیا اور اپنے دور تک کی پوری تحقیق کو انجام تک پہنچا دیا۔ ساتویں صدی کے بعد یہی کتاب حوالے کی بنیاد بن گئی اور بعد کے شارحین نے اسی پر اعتماد کیا۔

مرحلہ چہارم: بعد کے ادوار میں شرح واختصار

ابن الاثیر کے بعد اس فن میں مستقل بڑی کتابوں سے زیادہ یہ ہوا کہ النہایہ کے اختصارات، حواشی اور ضمنی تشریحات حدیث کی شروحات کے اندر شامل ہوتی رہیں۔ سیوطی نے النہایہ پر اختصار کیا، اور فتح الباری، شرح نووی اور دیگر شروح میں غریب الفاظ کی تشریح اسی روایت کی روشنی میں جاری رہی۔ جدید دور میں بھی غریب الحدیث پر رسائل و معاجم لکھے گئے، حدیث کی مشکل لغات کی معاصر لغت نگاری ہوئی اور علما نے انگریزی و اردو سمیت دیگر زبانوں میں بھی ان تشریحات کو منتقل کیا۔ یوں یہ علم ایک ایسی مسلسل

روایت بن گیا جو ہر عہد میں اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق جاری رہی۔ اس ارتقائی سفر کا جائزہ بتاتا ہے کہ یہ فن کبھی جامد نہیں رہا: زبانی تشریح سے تصنیف، تصنیف سے ترتیبِ حروف اور ترتیب سے اختصار و شرح تک ہر مرحلہ اپنے عہد کی ضرورت کے مطابق ہوا۔

جدول 1: غریب الحدیث کے مشہور مصنفین و کتب

کتاب / خدمت	وفات	عالم
غریب الفاظ پر اولین مکتوب کوششیں	203ھ	نضر بن شمیل
غریب الحدیث پر ابتدائی تصنیف	تقریباً 209ھ	ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ
غریب الحدیث — فن کی باقاعدہ بنیاد	224ھ	ابو عبید قاسم بن سلام
غریب الحدیث — تنقیح و اضافات	276ھ	ابن قتیبہ دینوری
غریب الحدیث؛ معالم السنن	388ھ	ابو سلیمان خطابی
الفائق فی غریب الحدیث	538ھ	جار اللہ زمخشری
النہایہ فی غریب الحدیث والاثر — جامع ترین کتاب	606ھ	ابن الاثیر جزری

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ غریب الحدیث کا ارتقا تین بڑے مراحل میں ہوا: صحابہ و تابعین کے دور کی زبانی تشریح، ابو عبیدہ و ابو عبید کے ہاتھوں باقاعدہ تصنیف کی بنیاد، اور خطابی، زمخشری و ابن الاثیر کے ذریعے اس فن کی تکمیل و معراج۔ النہایہ آج بھی اس فن کی آخری سند مانی جاتی ہے۔ یہ ارتقائی تاریخ اس بات کی دلیل ہے کہ امت نے حدیث کے ایک ایک لفظ کی حفاظت و تفہیم کو دینی فریضہ سمجھا اور اس میں نسلوں کی محنت صرف کی۔

سوال نمبر5: غریب الحدیث کے فوائد

سوال نمبر5: غریب الحدیث کے فوائد لکھیں۔(20نمبر)

تعارف

غریب الحدیث کا علم محض لغوی معلومات کا مجموعہ نہیں بلکہ حدیث فہمی، استنباط احکام اور ربیت کی حفاظت کا ایک بنیادی واسطہ ہے۔ جو لفظ سمجھ میں نہ آئے اس پر حدیث کا پورا مفہوم معلق رہتا ہے۔ تاریخ علوم اسلامیہ گواہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین وفقہاء نے غریب الفاظ کی تشریح کو اپنی محنت کا مرکز بنایا، کیونکہ اس کے بغیر نہ حدیث کا ترجمہ درست ہو سکتا ہے، نہ اس سے فقہی نکتہ اخذ کیا جا سکتا ہے اور نہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس جواب میں غریب الحدیث کے فوائد کو منظم عناوین کے تحت بیان کیا جاتا ہے تاکہ طالب علم کو اس علم کی قیمیت اور آج کے دور میں اس کی عملی افادیت واضح ہو جائے۔

فائدہ ا: حدیث کا درست وکامل فہم

غریب الحدیث کا سب سے بڑا اور واضح فائدہ یہ ہے کہ اس کے بغیر حدیث کا صحیح مفہوم میسر نہیں آتا۔ کئی احادیث میں ایسا ایک ایک لفظ ایسا آتا ہے جس کی تشریح ہی سے پورا جملہ کھلتا ہے۔ مثلاً استجمار، افشاء السلام جیسی اصطلاحات، یا قبائلی لغات کے وہ الفاظ جن کا سامنا طالب علم کو روایات میں ہوتا رہتا ہے۔ جب غریب لفظ کی اصل لغوی صورت اور اس کے استعمال کی قبائلی و تاریخی جہت معلوم ہو جائے تو حدیث کی عبارت کی ابہام ختم ہو جاتا ہے اور طالب علم اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ مرادِ رسول کو پانے کے نزدیک پہنچ گیا ہے۔ اس کے برخلاف لغت سے بے پروائی نے تاریخ میں بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دیا جن سے بچنے کا علاج یہی علم ہے۔

فائدہ ۲: فقہی احکام کے استنباط میں مدد

فقہی استنباط کی بنیاد بھی الفاظ ہی کے درست مفہوم پر ہے۔ ایک لفظ کی حقیقی اور مجازی جہت میں فرق کرنے، عام و خاص اور مطلق و مقید کی پہچان میں غریب الحدیث کا علم فقہی کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔ کتنے ہی مسائل میں فقہاء کے اختلاف کی جڑ لفظ کی تشریح میں پائی گئی ہے، اور جس محقق نے لفظ کی لغوی تحقیق مضبوط کی اس کا استنباط مضبوط ہوا۔ مثلاً طہارت، بیع و تجارت، حدود و جنایات کے ابواب میں آنے والے الفاظ کی تشریح کے بغیر حکم کی صورت درست متعین نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر اصول و فقہ کی کتابوں میں لغوی بحث کی اہمیت مسلم ہے اور محدث فقہاء غریب الحدیث کو استنباط کی سیڑھی کہا کرتے تھے۔ یہاں اس تنبیہ کا اعادہ مناسب ہے کہ کسی معاصر مسئلے کا نفاذ بہر حال اہلِ علم کے اجتہاد و فتوے سے ہی ہو گا۔

فائدہ ۳: عربی لغت کی حفاظت و توسیع

غریب الحدیث کی کتابیں عربی لغت کا عظیم ذخیرہ بھی ہیں۔ چونکہ تشریحِ غریب کے لیے مصنفین نے قبائل کی لغات، جاہلی و اسلامی شعراء کے اشعار اور اہل عرب کے استعمالات جمع کیے، اس لیے یہ کتابیں آج عربی لغات نویسی کے اہم مصادر میں شامل ہیں۔ اسلام نے اپنے ان الفاظ کی حفاظت کی جو عام استعمال سے باہر ہو چکے تھے، اور ان کتابوں کی وجہ سے بہت سی قبائلی لغات ضائع ہونے سے بچ گئیں۔ مدارس و جامعات میں پڑھائے جانے والے نصابوں میں بھی نہایہ جیسی کتابوں کو لغت کی تعلیم کے لیے استعمال کیا گیا۔ یوں غریب الحدیث نے نہ صرف حدیث کی خدمت کی بلکہ عربی زبان و ادب کے پورے تراث کی حفاظت کا فریضہ بھی انجام دیا، اور آج کے محققِ عربی کے لیے یہ مآخذ ناگزیر حیثیت رکھتے ہیں۔

فائدہ ۴: غلط فہمی و تحریف سے حفاظت

اس علم کا ایک اہم فائدہ دینی متون کی حفاظت ہے۔ مشکل الفاظ کی جاہلانہ یا من مرضی تشریح سے عقائد و اعمال میں بڑی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ غریب الحدیث کی مستند کتابیں اس بات کا معیار فراہم کرتی ہیں کہ کس لفظ کا معنی قدیم اہل لغت نے کیا بیان کیا ہے، اس لیے کوئی شخص اپنی خواہش سے حدیث کے لفظ کا رخ نہیں موڑ سکتا۔ اسی طرح

ناسخ و منسوخ، تعارضِ احادیث اور مشکل الحدیث کے مباحث میں بھی لغوی حل سے بہت سے اشکالات دور ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر میں جب سوشل ذرائع سے حدیث کے ناقص و غلط مفاہیم تیزی سے پھیلتے ہیں، اس وقت اس علم کی روش اختیار کرنا پہلے سے بڑھ کر ضروری ہو گیا ہے تاکہ ہر نقل شدہ بات کو مستند لغوی ماخذ سے پرکھا جا سکے۔

فائدہ ۵: ترجمہ و شرح کی تصحیح اور تعلیمی سہولت

احادیث کے ترجمے اور شروح کی درستگی بھی براہِ راست اس علم سے جڑی ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں حدیث کا ترجمہ کرنے والا مترجم جب غریب الفاظ کی مستند تشریح سامنے رکھتا ہے تو اس کا ترجمہ اصل مراد کے قریب ہوتا ہے اور غلط تعبیر کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔ اساتذہ کے لیے بھی یہ علم تدریس کو آسان بنا دیتا ہے، کیونکہ وہ درسی کتاب پڑھاتے وقت مشکل الفاظ کو نہایہ وغیرہ سے حل کر کے طالب علم کے سامنے رکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ فوائد ضمنی طور پر حاصل ہوتے ہیں: طالب علم کی عربی ذوق و لطافت میں اضافہ ہوتا ہے، جاہلی ادب سے واقفیت بڑھتی ہے، تاریخ عرب کے معاشرتی احوال سمجھ آتے ہیں اور حدیث کے مطالعے میں دلچسپی بڑھتی ہے، کیونکہ جس چیز کو آدمی سمجھ لے اسی میں اسے لذت بھی آتی ہے۔

جدول 1: غریب الحدیث کے فوائد کا خلاصہ

مختصر وضاحت	فائدہ
مشکل الفاظ کھلنے سے عبارت کا مفہوم متعین ہوتا ہے	درست فہمِ حدیث
فقہی نکات کے درست اخذ میں لغوی تحقیق معاون	استنباطِ احکام
قبائلی لغات و قدیم استعمالات محفوظ ہو گئے	حفاظتِ لغتِ عرب
من مرضی تشریح و تحریف کا راستہ بند ہوتا ہے	غلط فہمی سے بچاؤ
مترجم، شارح و مدرس کے لیے مستند ماخذ	ترجمے و تدریس کی سہولت

عربی ادب و محاورات سے واقفیت و دلچسپی	ادبی ذوق کی تربیت

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ غریب الحدیث کے فوائد ہمہ جہت ہیں: یہ [illegible] کا صحیح فہم دیتا ہے، فقہی استنباط کو بنیاد فراہم کرتا ہے، عربی لغت کی حفاظت کرتا ہے، دین کو غلط فہمیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور ترجمے و تدریس کو درست راستہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے [illegible] سے یہ علم نصاب کا حصہ ہے اور النہایہ جیسی کتابیں آج بھی ہر محقق حدیث کی میز پر پائی جاتی ہیں۔ طالب علم کو چاہیے کہ جب بھی کسی حدیث میں اجنبی لفظ سے سامنا ہو تو سب سے پہلے غریب الحدیث کی مستند کتاب کی طرف رجوع کرے، یہی اس علم کا عملی استعمال ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com